اقبال اور جدیدیت

Iqbal and Modernism

شازیہ تاج، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد
Shazia Taj, Ph.D Scholar, Dept. of Urdu, G-C women university, Faisalabad
ڈاکٹر صدف نقوی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد
Dr.Sadaf Naqvi, Dept. of Urdu, G-C women University, Faisalabad

Abstract

Modernism refers to rationally, cognitively and logically optimistic forward-movement and struggle of the world. The most important principle of the modernism is that, the human only gets awareness and the perception of facts through wisdom and leads to the development of a society. Muhammad Iqbal was a person who was used learn from emerging lights and new knowledge. He had no interest in the old-age imitations and nostalgia. On every aspect, his judgment of the ideas was based on the criteria of thinking, wisdom, knowledge, logical reasoning, experience and observation. Iqbal's poetry is the representative of modernism.

Keywords: Perception, Modernism, War, Wealthy and Settled, Optimistic.

کلیدی الفاظ: ادارک، جدیدیت، مبارزت، بورژوا، رجائیت۔

گذشتہ تین صدیوں میں ہونے والی سائنسی اور صنعتی ترقی نے انسان اشرف المخلوقات کی حیثیت و مرتبے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ اپنی اقدار سے ہٹ گیا، خوف تنہائی اور احساس محرومی نے اُسے بے یقینی اور کم ہمتی سے دوچار کر دیا۔

اسی دوران ''جدیدیت'' کا ذکر عام ہوا۔

جدیدیت کے لیے جدت، ندرت، تجدّد، حالیہ وغیرہ کے الفاظ استعمال میں آئے۔ اسے جدید زمانے کی خصوصیات کی حامل فکر، اصول، خیالات، معائر، جدت اور جدیدیت سے موسوم

کیا جانے لگا۔

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ”جدیدیت بے حد متنازعہ اصطلاح ہے۔ ایسی اصطلاح جو تخلیقات سے وابستہ تصورات کے ساتھ معاشرتی، اخلاقی اور روحانی اقدار کا بھی تجزیاتی مطالعہ کرنے کی دعویدار ہے جدیدیت کے علم بردار بیسویں صدی کے مخصوص تناظر میں اس کی اہمیت اور افادیت کا مطالعہ کرتے ہیں مگر ان کے معنی مطلق (Absolute) نہیں کہ جدید اور جدیدیت بنیادی طور پر اضافی ہیں۔ اگر معاشرتی اقدار اور تخلیق میں جاری عمل وردِ عمل کے لحاظ سے مطالعہ کیا جائے تو پھر ہر عمل کے مقابلہ میں ”ردِ عمل جدید“ ہو گا۔ پھر کچھ عرصہ بعد جدید ردِ عمل اپنے داخلی تضادات کے باعث محض روایات اقدار میں تبدیل ہو کر اپنی جدیدیت گنوا کر محض عمل (قدیم) ثابت ہوتا ہے یوں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے عمل اور ردِ عمل کی جدلیات دراصل قدیم اور جدید کی آویزش کا نام ہے۔“(1)

انیسویں صدی میں جدیدیت پورے عروج پہ تھی تو فیور باخ، ڈارون، فرائیڈ، جیمز فریزر، مارکس اور منطقی اثباتیت کے حامی مفکرین نے مذہبی تصورِ حیات کو لایعنی اور لغو کہہ کر اسے تاریخ کے اوراق سے خارج کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود دنیا بھر میں مذاہب کی کشش و رغبت کم نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر عافیہ فرید نے لکھا ہے:

> ”جدیدیت کا نصب العین انسان کو آزادی سے ہمکنار کرنا تھا۔ اس نصب العین کا حصول اہلِ جدیدیت کے مطابق عقل ہی کے ذریعے ممکن تھا۔ لہٰذا مختلف طبعی اور معاشرتی علوم جن کی اساس ”عقل“ پر تھی جدیدیت کی دست راست بن کر حصول آزادی کے لیے کوشاں ہو گئے۔ انسان کی آزادی کئی جانب سے خطرہ میں تھی۔ اوّل مختلف مظاہر فطرت مثلاً آندھی، طوفان، سیلاب، سانپ، بچھو، حشرات الارض جراثیم وغیرہ نے انسان کی آزادی چھین لی تھی اسے مغلوب کر رکھا تھا۔ دوم مختلف قسم کے توہمات، مذہبی وغیر عقلی عقیدے،

جادو، منتر اور سفلی اعمال وغیرہ نے انسان کو بے بس کر دیا تھا۔ سوم مختلف قسم کی شخصی حکومتیں مثلاً مطلق العنان بادشاہ، آمروں نے انسان کی آزادی کو اپنی خود غرضی کی بھینٹ چڑھایا تھا۔ چہارم مختلف قسم کے غیر عقلی طور طریقوں نے انسان کی آزادی کے حق کو داغدار کیا تھا اور آزادی کی نفی غلامی کی بدترین صورت تھی۔"(۲)

جدیدیت کا نصب العین اس کے ناقدین کے مطابق پورا نہ ہو سکا کیونکہ دورِ جدید کا انسان ایک غلامی سے آزاد ہو کر دوسری غلامی کا شکار ہو گیا۔ اس کی مثال مظاہرِ فطرت کو تسخیر کرنے والے کی سی ہے جو فطرت کے مظاہر کو تو تسخیر کر لیتا ہے۔ لیکن سائنس مشین اور ٹیکنالوجی کا غلام بن جاتا ہے۔

جدیدیت عقلی، علمی اور منطقی طور پر دنیا کو رجائیت (Optimistic) کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے دیکھنے اور تگ و دو کرنے کا نام ہے۔ جدیدیت کا اہم اصول یہ ہے کہ انسان عقل کے ذریعے ہی حقائق کا ادراک اور شعور حاصل کرتا ہے اور معاشرے کی ترقی کا باعث بنتا ہے۔ ڈاکٹر خالد اقبال یاسر نے لکھا ہے:

"جدیدیت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسان مشین ہے ہم بطور انسان خالص طبعی دنیا میں رہتے ہیں اور دنیا میں وہی کچھ ہے جس کا فہم، ادراک یا احساس ہمیں اپنی حسیات کے ذریعے ہوتا ہے۔۔۔ جدت پسندوں کے نزدیک تاریخ اور وقت آگے کی جانب سفر کرتے رہتے ہیں اور تاریخ ثقافتی اور نظریاتی زاویے سے واقعات کا بیان ہے۔ ایک پہلو سے جدیدیت فکری سطح پر مادی حقیقت کے سحر سے نکل کر تجریدی سچ کی تلاش کا عمل بھی ہے لیکن اس طرح کہ سچ تک پہنچا تو عملی ذرائع سے جاتا ہے مگر اس کا اظہار تجریدی طور پر کیا جا سکتا ہے۔"(۳)

روشن خیالی سے دیکھا اور سوچا جائے تو جدیدیت ثقافت کو اعلیٰ اور ادنیٰ ثقافتوں میں تقسیم کرتی ہے اور صرف اعلیٰ ثقافتوں کو ہی مطالعے یا تجزیے کے لائق گردانتی ہے۔ ایک جدید معاشرے میں جدید انسان اپنے ارادے اور منزل کے تعین میں آزاد ہوتا ہے۔ جدید ثقافت کی ہمہ گیریت، پیداوار کی کثرت اور صارف کا مقابلہ، منڈی کی وسعت کسی بھی جدید (معاشی) معیشت کا مقصد ہوتا ہے۔ اس حوالے سے مادیت پسندی بھی جدیدیت پسندی میں داخل ہو جاتی ہے۔

جدیدیت تجارت سے لے کر فکری سطح تک ان معاملات کا ہر نقطہ نظر اور زاویے سے از سرِ نو جائزہ لیتی ہے جو ترقی کا راستہ روکتے ہیں ایسے رجحانات کے مقابلے میں ارتقا کی خصوصیت کے حامل متبادل عوامل اور رجحانات کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

اردو ادب کا مطالعہ کریں تو سرسید احمد خان کی تحریک زمانہ کے لحاظ سے جدیدیت کی حامل تھی۔ اس تحریک نے عقلیت پسندی اور مقصدیت پر زور دیا، اسلوب کی جمالیات کو نظر انداز کر دیا تو اس کا ردِ عمل رومانویت، تخیل پرستی اور اسلوب سازی کی صورت میں ہوا۔ جدیدیت میں تاریخ کو صداقت اور معروضیت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ جدیدیت مطلق نہیں بلکہ اضافی ہوتی ہے۔ ناصر احمد نے لکھا ہے:

> ”صداقت کی تلاش کے سلسلے میں صداقت کا نظریہ (Correspondence theory of Truth) کا استعمال کرتی ہے جس کے مطابق بیانات کی صداقت ان کی حقیقت سے مطابقت رکھنے میں مضمر ہے۔ اس نظریہ صداقت کے مطابق معروضی دنیا کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ جس کے ادراک کے بعد ہی بدیہی صداقت سے آگاہی ممکن ہے۔“(۴)

یہ کہنا قرین انصاف ہو گا کہ جدیدیت نے نظریہ صداقت کو عقلیت کے ساتھ مربوط اور مشروط کر دیا ہے تاکہ عقل استدلال اور تدبر کی مدد سے صداقت اور عقیدے کی صحت کے سلسلے میں مطلوبہ معلومات کی فراہمی ممکن ہو سکے۔ انسانی فطرت تغیر پسند ہے جدیدیت اسی تغیر اور تبدیلی کی علمبردار ہے چاہے وہ توڑ پھوڑ، شکست وریخت کی صورت میں ہو مگر نتیجہ بالآخر معاشرے کی بہتری اور فلاح ہونا چاہیے۔ انگریزی ادب کے حوالے سے شیکسپیئر، عظیم ڈرامہ نگار شاعر ہیں ان کی تخلیقات میں جدیدیت کی واضح چھاپ ملتی ہے۔ ولیم جیمز فلسفی، ماہرِ نفسیات نے بھی عملی اور انقلابی تجربیت پر زور دیا۔ سگمنڈ فرائڈ نے بھی انسانی ارتقاء کے ساتھ بہت سے نظریات کو جوڑا ہے۔ کارل ژونگ نے خوابوں کو نئی وسعتوں سے مشروط کیا۔ جیمز جوائس نے ناول کی تکنیک میں نئے نظریات متعارف کرائے، ایذرا پاؤنڈ نے جدیدیت کے فروغ کے لیے سب سے زیادہ تخلیقی اور نظریاتی کام کیا۔

اقبال نئی روشنی نئے علم سے اخذ واکتساب کرنے والے انسان تھے۔ ان کی شخصیت جدید عہد کی تمام خصوصیات کی حامل تھی وہ قدامت پسند نہ تھے گذشتہ کی تقلید اور ماضی پرستی سے انہیں

دلچسپی نہ تھی وہ ہر بات پر نظریے کو فکر و عقل، علم و منطق، تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر رکھتے تھے۔ معاشی، معاشرتی ترقی کے لیے وہ تحریک(Motivation Movement) تغیر اور تبدیلی کو ضروری اور لازمی سمجھتے تھے۔ پورے ایمان مکمل ایقان کے ساتھ ہر لمحہ جدوجہد اور کوشش کے داعی تھے۔ وہ ارتقاء، نمود، تغیر و تبدل، تدبر اور حکمت کا صرف ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ ان کی انفرادیت تھی کہ وہ باعمل شخصیت تھے۔

اقبال نے پہلے پہل اپنے وجود کے اثبات کے لیے فکری اور عملی کوشش کی انہوں نے لکھا۔

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے (۵)

اپنے مشاغل ذوق و شوق اور رجحان کے حوالے سے اقبال نئے دور کے انسان تھے اور فکرِ نو ان کے فن میں جھلکتی ہے۔ ابتدائی نظموں میں ''زہد اور رندی''، ''نوائے غم'' ایسی ہی تخلیقات ہیں جسے اقبال کا ذاتی خاکہ کہا جا سکتا ہے۔ نثر میں بھی اقبال نے لکھا ہے:

یہ جدیدیت کا فیض تھا کہ اقبال کے کلام میں ارتقاء کے مراحل اور منازل موجود ہیں۔

اقبال نے لکھا:

حلقہ صبح و شام سے نکلا
اس پرانے نظام سے نکلا (۶)

''سرگزشتِ آدم'' اور ''روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے''۔ ''موٹر'' ایسی ہی تخلیقات ہیں۔ جن میں اقبال نے جدید علوم وفنون سائنسی اشیاء کے استعمال کے حوالے سے اور جدیدیت کی بات کی ہے۔ یہ جدیدیت کی نمائندہ تخلیقات ہیں۔ نظم بعنوان ''عبد القادر کے نام'' میں اقبال قیس کو بھی آرزوئے نو، عزم نو سے شناسا کرنے کا عزم لیے ہوئے ہیں۔

بطور مثال:

دیکھا یثرب میں ہوا ناقہ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں (۷)

جدوجہد اور تخلیقی عمل ''عصرِ نو'' کے مطابق ہو تو بہتر ہے۔

اقبال کو پڑھانے والے اساتذہ کرام نے جدید علوم وفنون کی راہ دکھائی انہوں نے بیک

وقت ہیگل، گوئٹے، غالب، بیدل، ورڈزورتھ، کولرج کے کلام سے خوشہ چینی کی اور ان سے استفادہ کا برملا اعتراف بھی کیا ہے۔

اقبال نے لکھا ہے:

"ہیگل، گوئٹے نے اشیا کی باطنی حقیقت تک پہنچنے میں میری رہنمائی کی۔ بیدل اور غالب نے مجھے یہ سکھایا کہ مغربی شاعری کی اقدار اپنے اندر سمو لینے کے باوجود اپنے جذبے اور اظہار میں مشرقیت کی روح کو کیسے زندہ رکھوں اور ورڈزورتھ نے طالب علمی کے زمانے میں مجھے دہریت سے بچالیا۔"(۸)

پروفیسر آرنلڈ کی معیت میں رہنے سے اقبال کے اندر خوب سے خوب تر کا رجحان پیدا ہوا اور ہر نئی ایجاد و جدت سے دلچسپی کا باعث بنا۔

نالہ فراق میں اقبال نے لکھا:

تھی تیری موج نفس باد نشاط افزائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم (۹)

کچھ نظموں میں شعرا کے نام بھی درج ہیں۔ جیسے "ایک پہاڑ اور گلہری"، "ہمدردی"، "ولیم کوپر"، "آفتاب گائیتری"، "عشق اور موت"، "ٹینی سن"، "پیام صبح"، "لانگ فیلو" اور "رخصت اے بزم جہاں" اور "ایمرسن" وغیرہ۔

یہ جدید ذہن کا خاصا ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے باخبر رہنا چاہتا ہے۔ علوم شرق و غرب کا مطالعہ کرنے کے ساتھ خود کو "حال" سے متصل رکھتا ہے۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو (۱۰)

پروفیسر آرنلڈ نے اقبال کے دل و دماغ میں علم کی جستجو کی جو شمع روشن کی تھی وہ انہیں جدت اور جدیدیت کی جانب راغب کر رہی تھی اور اقبال کا سفر یورپ اسی کی ایک عملی دستاویز ہے۔

اقبال کارل مارکس کے جدید نظریات سے متاثر تھے۔ اقبال نے واضح اعلان کیا کہ دنیا کو پرانے افکار کی نمائش گوارا نہیں اور جدیدیت انقلاب مائل ہے۔

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آ گئی شاید جہانِ پیر کی موت (۱۱)

فکرِ اقبال کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال کو جنون بھی حرکت اور عمل کی خاطر ہی درکار ہے کہ انسان اپنے ہر ارادے اور عمل کے ذریعے اس مرتبے پر پہنچ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تقدیر اس سے پوچھ کر طے کرے، ایک متحرک اور زندہ طاقت کے طور پر انسان اپنے اعمال وافعال اور حرکات وسکنات کے لیے مکمل آزاد ہے۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں کہ یہ چار سو بدل جائے (۱۲)

فارسی کلام کا یہ حصہ بھی ثابت کرتا ہے:

نہ مختارم تو ان گفتن نہ مجبور
کہ خاکِ زندہ ام در انقلابم (۱۳)

قوی انسان ماحول تخلیق کرتا ہے اپنی دنیا میں رنگ ونور خود پیدا کرتا ہے۔
محقق اور نقاد عزیز احمد نے لکھا ہے:

"اقبال کا کلام پڑھنے کے بعد سیدھی بات جو عام آدمی کی سمجھ میں بھی آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو پہچانے اور ان سے کام لے اسلامی تعلیمات کی حرکی روح کو سمجھے اور اس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں خدا کا جانشین بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔"(۱۴)

اقبال نے خود بھی کہا ہے کہ اس جہان کی زندگی جنبش میں ہے قرار میں اجل پوشیدہ ہے جسے سکون کہتے ہیں کہیں موجود نہیں ہے۔ اقبال کے حرکی تصورِ حیات میں آرزو اور تمنا کی اصطلاح بہت معنی خیز ہے جو انسان کو متحرک رکھتی ہے۔

از تمنائے بہ جام آمد حیات
گرم خیز و تیز گام آمد حیات (۱۵)

اجتہاد جدت پسندی کا عمل ہے۔ جس میں موجودہ تمدن کو اسلام کے قریب تر لانے کی سعی کی گئی ہے۔ اقبال نے اسلامی نظریات وافکار کی تشکیل سے جدید ملتِ اسلامیہ میں ترقی کی نئی

روح پھونکی اور نئی ایجادات، سائنسی کمالات و جواہر میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں ان خطبات کو بنیادی رتبہ حاصل ہے۔ اجتہاد فی نفسہٖ حرکت اور تبدیلی ارتقائی عمل کا نام ہے اس سے روگردانی علم و عقل اور عمل سے روگردانی کے مترادف ہے۔

اقبال سائنس اور مذہب دونوں کے ساتھ ساتھ چلنے کے داعی ہیں وہ اہلِ فرنگ کی اجارہ داری کے مخالف تھے۔ ان کے خیال میں جدید علم و حکمت اس لذت ایجاد کا نتیجہ ہے۔ جس سے مغربی اقوام پہلے پہل مسلمانوں کی بدولت آشنا ہوئیں، جدید سائنس اسی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ حرف آخر یہ کہنا قرین انصاف ہے کہ حتمی طور پر اقبال جدیدیت پسند ہے۔ جدیدیت کی روح کہیں ٹھہرنا نہیں کسی نظریے خیال پر رکنا نہیں اقبال کے مزاج اور تحریروں میں جدیدیت کی روح سرایت کر چکی تھی۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2011ء، ص103

۲۔ عافیہ فرید، ڈاکٹر، تہذیب کے اس پار، کراچی: یونیورسٹی پریس، 2000ء، ص18

۳۔ خالد اقبال یاسر، ڈاکٹر، ادبی فکری تحریکات اور اقبال، لاہور: اردو سائنس بورڈ، س ن، ص48

۴۔ ناصر بغدادی، جدیدیت مابعد جدیدیت اور اردو ادب، کراچی: مطبوعہ بادبان، 2005ء، ص 111

۵۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، کراچی: تاج کمپنی، 1980ء، ص93

۶۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال اُردو، کراچی: تاج کمپنی، 1978ء، ص203

۷۔ ایضاً، ص56۔108۔109

۸۔ اقبال، شذرات فکر اقبال، مترجم: افتخار احمد صدیقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1980ء، ص105

۹۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال اُردو، کراچی: تاج کمپنی، 1978ء، ص۵۶

۱۰۔ ایضاً، ص122

۱۱۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: غلام علی پرنٹرز، 1980ء، ص649

۱۲۔ ایضاً، ص674

۱۳۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (فارسی)، لاہور: اقبال اکادمی، 1986ء، ص760

۱۴۔ عزیز احمد، بحوالہ کلیاتِ اقبال، کراچی: تاج کمپنی، 1970ء، ص13

۱۵۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور: اقبال اکادمی، 1986ء، ص 51